فہم قرآن

قیادت کے تقاضے

سید قطب شہیدؒ

قرآن اس امت کی زندہ کتاب اور اس کی بہترین رہنما ہے۔ درحقیقت قرآن ہی وہ درس گاہ ہے جس میں امت مسلمہ نے اپنی زندگی کے درس لیے تھے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے امت مسلمہ کے اولین گروہ کی--- جس کے لیے اس نے مقدر کر دیا تھا کہ اس کے ہاتھوں زمین میں اس کا ربانی نظام قائم ہو--- تربیت فرمائی تھی۔ اس قرآن کے ذریعے اسے اس کار عظیم کے لیے تیار کرنے کے بعد ہی اس کام کو اس سے وابستہ کیا تھا۔ درحقیقت اللہ کا منشا یہ تھا' اور ہے' کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن باقی رہنے والا زندہ جاوید رہنما بنے جو مختلف ادوار میں اس امت کے مختلف گروہوں اور نسلوں کی قیادت اور تربیت کر سکے اور انسانیت کی صحیح راہنمائی و قیادت کے لیے اس امت کو تیار کر سکے' کیونکہ اللہ نے اسے انسانیت کا قائد بنانے کا وعدہ کیا ہے بشرطیکہ وہ قرآن سے رہنمائی حاصل کرتی رہے' قرآن سے کیے ہوئے عہد کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رہے' اپنی زندگی کا پورا نظام قرآن سے اخذ کرتی رہے اور اس نظام کے ذریعے زمین کے جملہ نظاموں پر--- جو فی الحقیقت جاہلیت کے نظام ہیں--- غلبہ حاصل کرے!

قرآن صرف ایک کلام نہیں' جو تلاوت کے لیے ہو۔ وہ ایک جامع دستور ہے! تربیت کا دستور! عملی زندگی کا دستور! اسی لیے اس میں نوع انسانی کے تجربات کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ اس سے امت مسلمہ کو--- جسے وہ پروان چڑھانے اور تربیت دینے آیا ہے--- سبق اور رہنمائی حاصل ہو۔ خصوصیت سے اس میں آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دور تک کے ایمانی دعوت کے تجربات کا تذکرہ ہے' تاکہ وہ امت مسلمہ کے لیے تمام ادوار میں زاد راہ بنیں۔ یہ تجربات ذہنی و قلبی بھی ہیں اور عملی زندگی کے بھی۔ یہ سب اس لیے کہ امت مسلمہ پوری بصیرت کے ساتھ راہ حق پر گامزن ہو اور اس کے پاس یہ عظیم زاد راہ اور متنوع سرمایہ ہو۔

اس لیے قرآن میں قصے اس کثرت' اس تنوع اور اس وضاحت کے ساتھ آئے ہیں! بنی اسرائیل کے واقعات و قصص قرآن کریم میں سب سے زیادہ آئے ہیں۔ اس کے متعدد اسباب ہیں۔ ہمارے خیال میں

راجح سبب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جانتا تھا کہ امت مسلمہ کے کچھ گروہ اسی طرح کے ادوار سے گزریں گے جن سے بنی اسرائیل گزرے تھے اور وہ اپنے دین اور اپنے عقیدے کے سلسلے میں اسی طرح کے موقف اختیار کریں گے جو بنی اسرائیل نے اختیار کیے تھے۔ اس لیے قرآن نے راہ کی لغزشوں کو بنی اسرائیل کی تاریخ کی صورت میں بیان کیا ہے تاکہ امت ان سے نصیحت و عبرت حاصل کرے اور اس آئینے میں، جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے اس کے سامنے رکھ دیا ہے، اپنی صورت دیکھ لے، قبل اس کے کہ وہ اس طرح کی لغزشوں میں مبتلا ہو یا راہ طے کرنے کے دوران وہ ان لغزشوں پر اصرار کرے۔

قرآن اس بات کا مستحق ہے کہ مختلف ادوار میں ہونے والے امت مسلمہ کے سب گروہ اسے قلبی توجہ کے ساتھ پڑھیں اور اس پر اس حیثیت سے غور و فکر کریں کہ قرآن کی تعلیمات، زندہ اور تازہ بہ تازہ ہدایات ہیں جو آج کے دور میں نازل ہو رہی ہیں اور اس لیے نازل ہو رہی ہیں کہ وہ آج کے مسائل کو حل کریں اور مستقبل کی راہ کو واضح و روشن کریں۔ قرآن صرف حسین و جمیل کلام نہیں ہے جسے خوش الحانی کے ساتھ پڑھا جائے، اور نہ وہ ایسے واقعات کا، جو گزر چکے اور اب واقع نہ ہوں گے، تاریخی دفتر ہے۔

قرآن اسی وقت ہمارے لیے سود مند ہو سکتا ہے جبکہ ہم اسے اس طرح پڑھیں کہ ہم آج کی اور آنے والے کل کی، اپنی زندگی کے لیے اس سے اپنے لیے ہدایات کی جستجو کریں، جس طرح کہ امت مسلمہ کا اولین گروہ قرآن کو ہاتھوں ہاتھ لیتا تھا اور اپنی زندگی میں رونما ہونے والے واقعات و حالات کے لیے وہ اس سے تازہ بہ تازہ ہدایات حاصل کرتا تھا! قرآن کو جب ہم اس طرح پڑھیں گے تو جو کچھ ہم چاہتے ہیں، قرآن میں موجود پائیں گے۔ ہم اس میں ایسے عجائبات پائیں گے جن کا کسی غافل دل میں گزر بھی نہیں ہو سکتا۔ تب ہم محسوس کریں گے کہ قرآن کے الفاظ اور اس کی عبارتیں زندہ و متحرک ہیں اور وہ نشانات راہ کی واضح نشان دہی کر رہی ہیں۔ وہ ہم سے کہہ رہی ہیں کہ "یہ کرو، یہ نہ کرو"۔ وہ ہمیں بتا رہی ہیں کہ یہ تمھارا دشمن ہے، اور یہ تمھارا دوست ہے۔ وہ ہمیں سمجھا رہی ہیں کہ یہ احتیاطی تدابیر ہیں جو تمھیں اختیار کرنا ہیں اور یہ سامان دفاع ہے جو تمھیں تیار رکھنا ہے! وہ تمام معاملات کے سلسلے میں، جو ہمیں پیش آتے ہیں، طویل، مفصل اور دقیق ہدایات دے رہی ہیں۔ اس وقت ہم قرآن میں سامان حیات بلکہ حیات پائیں گے اور تب ہم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مفہوم صحیح طور پر سمجھ سکیں گے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (الانفال ۸:۲۴) "اے ایمان لانے والو! اللہ اور رسول کی دعوت پر لبیک کہو، جبکہ وہ تمھیں اس چیز کی طرف دعوت دے رہے ہیں جو تمھیں زندگی بخشنے والی ہے"۔

درحقیقت یہ زندگی کی دعوت ہے! دائمی اور نو بہ نو زندگی کی طرف دعوت! کسی ایسی زندگی کی دعوت

نہیں، جو تاریخ کے صفحات میں سے کسی گزرے ہوئے صفحہ تک محدود تھی!

قرآن گذشتہ قوموں کے تجربات میں سے دو تجربے سورۃ البقرہ (آیات ۲۴۳ تا ۲۵۲) میں بطور نمونہ پیش کرتا ہے اور امت مسلمہ کے، اپنے تجربات کے ذخیرے میں ان کا اضافہ کرتا ہے۔ یہ اس لیے کہ امت مسلمہ کو دنیا میں اپنے عظیم رول کے ادا کرنے کے سلسلے میں اپنی زندگی میں جو مختلف موقف پیش آنے والے ہیں، ان میں صحیح روش اختیار کرنے کے لیے اسے تیار کرے۔ یہ امت ایمانی عقیدے کی اور اس میدان کے تجربوں کی وارث بھی تو ہے!

پہلے تجربے کے سلسلے میں قرآن یہ نہیں بتاتا کہ وہ کن لوگوں کا ہے! وہ کامل اختصار کے ساتھ ان کا ذکر کرتا ہے۔ مگر تذکرہ کافی و وافی ہے! یہ ایک ایسے گروہ کا تجربہ ہے جو خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ (البقرہ ۲:۲۴۳)، "وہ اپنے گھربار چھوڑ کر موت کے خوف سے بھاگ نکلے حالانکہ وہ ہزاروں تھے!"

مگر انھیں نہ خوف سے کوئی فائدہ پہنچا اور نہ گھربار چھوڑ کر بھاگ جانے سے۔ اللہ کے جس فیصلے سے وہ ڈر کر بھاگے تھے، اس فیصلے نے انھیں اپنی گرفت میں لے لیا: فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ (البقرہ ۲:۲۴۳)، "اللہ نے ان سے کہا، مرجاؤ! (تو وہ مرگئے!) پھر اس نے انھیں (دوبارہ) زندگی بخشی!"

نہ موت سے بچنے کے سلسلے میں ان کی جدوجہد کارگر ثابت ہوئی اور نہ دوبارہ زندگی ملنے میں ان کی، کسی کوشش کا دخل تھا۔ دونوں حالتوں میں خدا کا جو فیصلہ تھا، وہ نافذ ہو کر رہا۔

اس تجربے کے پس منظر میں قرآن اہل ایمان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور انھیں خدا کی راہ میں جہاد اور انفاق کرنے پر ابھارتا ہے--- خدا کی راہ میں جہاد و انفاق پر، جو زندگی اور مال، دونوں کا بخشنے والا اور زندگی اور مال، دونوں کو واپس لینے پر قادر ہے!

دوسرا تجربہ بنی اسرائیل کی زندگی کا ہے۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کے دور کے بعد کا واقعہ ہے۔ اس وقت بنی اسرائیل اقتدار سے محروم ہو چکے تھے، دشمن ان کی مقدس چیزیں لوٹ کر لے گئے تھے، وہ اپنے دشمنوں سے مغلوب اور ذلیل و خوار اور تباہی و بربادی سے دوچار تھے! یہ سب اس بات کا نتیجہ تھا کہ وہ اپنے رب کی ہدایت اور اپنے نبیوں کی تعلیمات سے منحرف ہو گئے تھے۔ پھر انھوں نے ایک نئی جھرجھری لی، ان کے دل میں عقیدہ جاگ اٹھا اور ان میں جہاد فی سبیل اللہ کا شوق پیدا ہو گیا: اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (البقرہ ۲:۲۴۶)، "انھوں نے اپنے نبی سے کہا: ہمارے لیے ایک فرماں روا مقرر کر دیجیے تاکہ (اس کی سربراہی میں) ہم اللہ کی راہ میں جنگ کریں!"۔ اس تجربے سے--- جیسا کہ قرآن کا موثر انداز بیان اسے پیش کرتا ہے--- بہت سے حقائق سامنے آتے ہیں جن میں ہر دور کی امت مسلمہ کے لیے محکم ہدایات ہیں، اس دور کی امت مسلمہ کے لیے بھی، جس کے سامنے قرآن نازل ہو رہا تھا۔

اس پورے قصے سے جو بنیادی اور کلی عبرت سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی اس بیداری کے--- جو عقیدے کی بیداری تھی--- غیر معمولی نتائج سامنے آئے حالانکہ تجربے کے دوران ان کی طرف سے بار بار کوتاہیوں اور کمزوریوں کا مظاہرہ ہوتا رہا اور لوگ مختلف مراحل میں گروہ در گروہ پیچھے ہٹتے رہے۔ ان سب کوتاہیوں اور کمزوریوں کے علی الرغم مٹھی بھر اہل ایمان کی ثابت قدمی سے عظیم الشان نتائج برآمد ہوئے اور بدترین شکست، کھلی ہوئی ذلت، طویل انتشار اور جابر و متسلط قوتوں کے قدموں میں پامالی کے بعد بنی اسرائیل اس ثابت قدمی کے نتیجے میں فتح، عزت اور غلبہ سے ہم کنار ہوئے اور اسی کے نتیجے میں حضرت داؤد اور پھر حضرت سلیمانؑ کی عظیم حکومتیں وجود میں آئیں۔ یہ وہ انتہائی نقطہ عروج تھا جہاں تک زمین میں بنی اسرائیل کی سلطنت پہنچی۔ یہ ان کا وہ سنہری دور ہے، جس کے ان میں چرچے ہیں! اس مقام تک وہ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کبریٰ کے دور میں بھی نہ پہنچ سکے۔ یہ فتح براہ راست ثمرہ تھی بہت سی خرابیوں کے انبار میں سے عقیدے کی بیداری اور جالوت کے عظیم لشکر کے مقابلے میں مختصر سے گروہ کی ثابت قدمی کا۔

اس کلی اور بنیادی نتیجے کے علاوہ اس تجربے سے کچھ جزئی عبرت و نصیحت کی باتیں بھی سامنے آتی ہیں جو ہر دور میں امت مسلمہ کے لیے قدر و قیمت کی حامل ہیں۔

ان میں سے ایک نتیجہ یہ ہے کہ جوش و خروش کے اجتماعی مظاہرے سے رہنما دھوکا کھا سکتے ہیں، اگر وہ اس کے مظاہر پر اعتماد کر لیں، اس لیے فیصلہ کن معرکے میں کود پڑنے سے پہلے ضروری ہے کہ اس جوش و خروش کو تجربے کی کسوٹی پر پرکھ لیا جائے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے سربرآوردہ لوگ جو ان میں اصحاب الرائے اور ارباب اثر تھے، اپنے زمانے کے نبی کے پاس آکر مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ان کے لیے ایک فرماں روا کا انتخاب کریں، جس کی سربراہی میں، وہ اپنے دینی دشمنوں سے--- جنھوں نے ان کا اقتدار ختم کر دیا تھا اور جو ان کے اموال اور ان کے ساتھ آل موسیٰ اور آل ہارون کی یادگاروں اور ان کے تبرکات لوٹ کر لے گئے تھے--- جنگ کریں۔ نبی نے جنگ کے سلسلے میں ان کے عزم و ہمت کو جانچنے کے لیے ان سے کہا: **هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا (البقرہ ۲:۲۴۶)** "کہیں ایسا نہ ہو کہ جب تمھیں جنگ کا حکم دیا جائے تو تم جنگ نہ کرو!" تو ان کا جوش و خروش نقطہ عروج پر پہنچ گیا اور وہ نبی سے کہنے لگے **وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا (البقرہ ۲:۲۴۶)** "ہم بھلا راہ خدا میں جنگ کیوں نہ کریں گے جبکہ ہمیں اپنی بستیوں سے نکالا اور اپنی اولاد سے جدا کر دیا گیا ہے"۔

مگر ان کا یہ بے پناہ جوش تھوڑے ہی عرصے میں سرد پڑ گیا اور وہ مختلف مراحل میں ایک دوسرے کے پیچھے گرتے اور لڑھکتے چلے گئے، جیسا کہ قصے سے واضح ہوتا ہے اور جیسا کہ قرآنی الفاظ اس حقیقت کو مجسم

اس طرح بیان کرتے ہیں: **فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ** (البقرہ ۲:۲۴۶) "مگر جب انھیں جنگ کا حکم دیا گیا تو تھوڑے سے افراد کے سوا سب نے پیٹھ پھیر لی!"

اگرچہ عہد شکنی، وعدہ خلافی اور بیچ راستے میں انتشار و تفرق اختیار کرنے کی روش بنی اسرائیل کا خصوصی مزاج ہے مگر بہرحال یہ ایک انسانی کمزوری ہے جو ان تمام گروہوں میں جو ایمانی تربیت سے تربیت کے اعلیٰ مقام پر نہیں پہنچتے، پائی جانے والی عام کمزوری ہے۔ ہر دور میں امت مسلمہ کی قیادت کو اس کمزوری سے سابقہ پیش آ سکتا ہے اس لیے بنی اسرائیل کے تجربے سے فائدہ اٹھانا بہتر رہے گا۔

اس واقعہ میں عبرت کا ایک پہلو ہے اور وہ یہ ہے کہ گروہوں اور جماعتوں کی دلیری اور ان کے جوش و خروش کا ایک بار نہیں، بار بار امتحان لینا چاہیے۔ چنانچہ اس قصے میں ہم دیکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے مطالبے کے مطابق جب انھیں جنگ کا حکم دیا گیا تو ان کی اکثریت نے اسی وقت جنگ سے پیٹھ پھیر لی اور صرف ایک قلیل تعداد رہ گئی جو نبی سے کیے ہوئے عہد پر قائم رہی۔ یہ وہ لوگ تھے جو طالوت کی حکمرانی و قیادت کے سلسلے میں بحث و نزاع کرنے اور اللہ کی طرف سے ان کے منتخب ہونے کی نشانی سامنے آنے اور اس صندوق کے، جس میں ان کے انبیا کی یادگاریں تھیں اور جسے فرشتے اٹھائے ہوئے تھے، واپس آ جانے کے بعد طالوت کے ساتھ ہو کر جنگ کے لیے نکلے تھے! مگر ان کی بھی بڑی تعداد نے پہلے ہی مرحلے میں ٹھوکر کھائی اور ان کے قائد نے ان کا جو امتحان لیا، اس میں وہ کمزور ثابت ہوئے: **فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً ۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ** (البقرہ ۲:۲۴۹) "پھر جب طالوت لشکر کو لے کر روانہ ہوا تو اس نے (لشکر سے) کہا: اللہ ایک ندی کے ذریعے تمھاری آزمایش کرنے والا ہے۔ جو کوئی اس ندی کا پانی پیے گا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں! اور جو نہ پیے--- الا یہ کہ وہ اپنے ہاتھ میں لے کر چلو بھر پانی پی لے--- وہ میرا آدمی ہے، تو تھوڑے سے افراد کے سوا سب نے پانی پی لیا!" لیکن یہ تھوڑی تعداد بھی آخر تک ثابت قدم نہ رہی! زندہ خطرے اور دشمنوں کی کثرت و قوت کے آگے ان کے حوصلے پست ہو گئے اور ان کے دل جواب دے گئے: **فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ** (البقرہ ۲:۲۴۹) "پھر جب طالوت اور اس کے ساتھ کے اہل ایمان نے ندی کو پار کیا تو وہ کہنے لگے: "ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلے کی طاقت نہیں ہے"۔ اپنے ساتھیوں کی اس پسپائی کے برعکس ایک مختصر مگر چیدہ گروہ ثابت قدم رہا، وہ خدا سے چمٹا رہا اور اس کے بھروسے پر میدان میں ڈٹا رہا، اسی گروہ نے کہا تھا: "**كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ** (البقرہ ۲:۲۴۹) "کتنے ہی قلیل التعداد گروہ کثیر تعداد والے گروہ پر اللہ کے اذن سے غالب ہوئے ہیں اور اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو صبر و

استقامت اختیار کرتے ہیں"۔ اسی گروہ کی بدولت بنی اسرائیل کا پلڑا بھاری ہوا اور یہ گروہ فتح و نصرت سے ہم کنار اور عزت و غلبہ کا مستحق ہوا۔

اس تجربے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صالح، دور اندیش اور مومن قیادت کیسی ہوتی ہے۔ طالوت کی قیادت میں یہ سب صفات پوری طرح نمایاں ہیں۔ وہ لوگوں کے ظاہری جوش و خروش سے فریب میں آنے کے بجائے ان کا امتحان لیتے ہیں۔ وہ ایک امتحان پر بس نہیں کرتے۔ جنگ شروع کرنے سے قبل وہ اپنے لشکر کی عزیمت اور اس کے جذبہ اطاعت کا امتحان لیتے ہیں اور جو لوگ کمزور ثابت ہوتے ہیں انھیں لشکر سے الگ کر دیتے اور پیچھے چھوڑ دیتے ہیں، اور پھر--- اور یہ پھر بہت اہم ہے!--- وہ کسی حال میں پست ہمتی اور پسپائی اختیار نہیں کرتے حالانکہ ہر تجربے کے بعد ان کا لشکر مختصر سے مختصر ہوتا چلا جاتا ہے اور آخر میں ان کے ساتھ مختصر سا چیدہ گروہ رہ جاتا ہے۔ مگر وہ اس مختصر سے گروہ کو لے کر خالص ایمان کی قوت اور اہل ایمان سے اللہ کے سچے وعدے کے بھروسے پر جنگ میں کود پڑتے ہیں۔

آخری عبرت جو اس جنگ کے انجام سے ہمارے سامنے آتی ہے، یہ ہے کہ جس دل کا تعلق اللہ سے ہو جاتا ہے اس کے پیمانے اور تصورات یکسر بدل جاتے ہیں۔ وہ ایک چھوٹے اور محدود واقعے کو ایسی آنکھ سے دیکھتا ہے جو اس واقعے سے ماورا طویل و عریض اور خدا سے متصل حقائق تک پھیلی ہوتی ہے اور اس چھوٹے اور محدود واقعے کے پیچھے اس کی نظر اس ہستی پر پڑتی ہے جو تمام امور کی اصل و بنیاد ہے۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ یہ مختصر سا مومن گروہ جو ثابت قدم رہا، جنگ میں کود پڑا اور بالآخر اسے فتح و نصرت حاصل ہوئی، وہ اپنی قلت تعداد اور اپنے اعدا کی تعداد کی کثرت کو اسی طرح دیکھ رہا تھا جس طرح دوسرے لوگ دیکھ رہے تھے، جنھوں نے کہا تھا: **لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ** (البقرہ ۲:۲۴۹)، "آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلے کی طاقت نہیں ہے!" لیکن اس کے باوجود انھوں نے وہ فیصلہ نہیں کیا جو ان لوگوں نے کیا تھا۔ انھوں نے دوسرا فیصلہ کیا: **كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ** (البقرہ ۲:۲۴۹)، "کتنے ہی قلیل التعداد گروہ اللہ کے اذن سے کثیر تعداد والے گروہ پر غالب ہوئے ہیں اور اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو صبر و استقامت اختیار کرتے ہیں"۔ پھر اس گروہ نے اپنے رب سے لو لگائی اور اس سے دعا کی: "**رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ** (البقرہ ۲:۲۵۰)، "اے ہمارے رب! ہم پر صبر انڈیل دے! ہمیں ثابت قدم رکھ اور اہل کفر کے مقابلے میں ہمیں فتح و نصرت عطا فرما!"

وہ محسوس کر رہا تھا کہ طاقتوں کی میزان اہل کفر کے ہاتھ میں نہیں، صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، اس لیے اس نے خدا سے فتح و نصرت طلب کی اور اسے اس ہستی سے پا لیا جو اس کا مالک ہے اور اسے عطا کرتا

ہے!--- اللہ سے حقیقی تعلق قائم ہونے اور دل میں صحیح ایمان کے جاگزیں ہونے پر معاملات کے سلسلے میں انسان کے تصورات اور پیمانے اس طرح بدل جاتے ہیں! نیز یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اس چھوٹے سے واقعے کو، جو آنکھوں کو نظر آتا ہے، پیش نظر رکھ کر اقدام کرنے سے زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ کے وعدے پر--- جو دل کو نظر آتا ہے اور جو بہرحال پورا ہو کر رہے گا۔ اعتماد کر کے اقدام کیا جائے۔

اس قصے میں جو اشارات اور عبرت کے جو پہلو ہیں، ہم ان کا استیعاب نہیں کر رہے! قرآنی آیات کے--- جیسا کہ ہمیں تجربہ سے معلوم ہوتا ہے--- حقائق ہر دل پر اس تعلق کے بقدر، جو وہ قرآن سے رکھتا ہے، اور جو اس کی ضرورتیں ہوتی ہیں، منکشف ہوتے ہیں اور پھر بھی بہت سے حقائق کا ذخیرہ ان کے اندر باقی رہ جاتا ہے تاکہ مختلف مواقع پر، جتنا خدا کی جانب سے مقدر ہے، دلوں پر ان کا انکشاف ہوتا ہے!

(فی ظلال القرآن ترجمہ: سید حامد علی، ج اول، ص ۶۳۰-۶۳۵)

اب، منشورات کی کتاب

خرم مرادؒ: حیات و خدمات

رفقائے تحریک، احباب اور اعزہ کی تحریروں کا گل دستہ

دیکھنے والوں کی گواہی

۵۰۰ صفحات مجلد، اعلیٰ تر کاغذ قیمت ۲۰۰ روپے
پیپر بیک قیمت ۱۰۰ روپے

زیادہ تعداد میں نقد خریداری پر خصوصی رعایت کے لیے رابطہ کریں

1- منشورات منصورہ، لاہور - 54570 فون فیکس
2- ڈیسنٹ بک پوائنٹ A-57/5 گلشن اقبال، کراچی 75300، فون: 4967661
3- بک ٹریڈرز جناح سپر مارکیٹ، اسلام آباد، فون:
4-Islamic Foundation, MDC, Ratby lane Leicester LE9RN Tel: 01530 - 244944

پروفیسر خورشید احمد
ڈاکٹر ظفر اسحٰق انصاری
ڈاکٹر محمد عمر چھاپرا
ڈاکٹر مناظر احسن
قاضی انوار الحق
ڈاکٹر طلعت سلطان
ڈاکٹر خالد علوی
محمود احمد مدنی
سید فیاض الدین احمد
لمعت النور مراد
حسن قاسم مراد
سلیم منصور خالد
حسن صہیب مراد
مسلم سجاد